تحریکِ اسلامی کا تنزل

دنیا میں جب کوئی تحریک کسی اخلاقی یا اجتماعی یا سیاسی مقصد کو لیکر اٹھتی ہے تو اسکی طرف وہی لوگ رجوع کرتے ہیں جنکے ذہن کو اُس تحریک کے مقاصد اور اسکے اصول اپیل کرتے ہیں، جنکی طبیعتیں اُسکے مزاج سے مناسبت رکھتی ہیں، جنکے دل گواہی دیتے ہیں کہ یہی تحریک صحیح اور معقول ہے، اور جو اپنے نفس کی پوری آمادگی کے ساتھ اُسکو چلانے اور دُنیا میں قائم کرنے کے لیے آگے بڑھتے ہیں۔ اُنکے سوا باقی تمام لوگ جنکی طبیعت کی اُفتاد اُس تحریک کے مقاصد اور اصولوں سے مختلف ہوتی ہے، پہلے ہی اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اُسکے دائرے میں آنیوالے لائے نہیں جاتے بلکہ خود آتے ہیں۔ انہیں کوئی چیز مجبور کرکے خواہ مخواہ اُس میں داخل نہیں کر دیتی۔ نہ کوئی طاقت انہیں لاکر اس طرح اُس میں چھوڑ جاتی ہے جیسے کوئی کسی اندھے کو جنگل میں لے جاکر چھوڑ دے اور اسے کچھ پتہ نہ ہو کہ میں کہاں ہوں اور کس لیے لایا گیا ہوں۔ بلکہ وہ اسے جانچ کر پرکھ کر، سمجھ کر پورے شعور اور کامل قصد کے ساتھ آتے ہیں۔ اور جب آجاتے ہیں تو اُسکے مقصد کو اپنا مقصد بنا کر کام کرتے ہیں کیونکہ وہی مقصد انکے دل و دماغ کو اپیل کرتا ہے۔ اسکے اصولوں کو اپنے اصول بنا کر چلتے ہیں کیونکہ ان اصولوں کو صحیح و برحق سمجھ کر ہی وہ اس میں داخل ہوتے ہیں۔ اُنکے لیے اس تحریک کو چلانا زندگی کا مشن بن جاتا ہے کیونکہ جو چیز اُن سے اُن کا پچھلا مسلک و مشرب چھڑاتی ہے اور اُنکو اس نئے مسلک کی طرف کھینچ کر لاتی ہے وہ دراصل اُنکے قلب و روح کا یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ یہی مسلک حق اور راست ہے۔ دراصل اُس تحریک میں ان پر حق منکشف ہوتا ہے۔ اُن کا انکشاف ہی انکو اُس تحریک کی طرف کھینچتا ہے۔ اور انکشافِ حق کی خاصیت یہ ہے کہ وہ آدمی کو کبھی اُس مقام پر نہیں ٹھیرنے دیتا جہاں وہ اس

انکشاف سے پہلے تھا، بلکہ وہ اسے کشاں کشاں اُس مقام کی طرف کھینچ لے جاتا ہے جدھر حق کی روشنی اُسے نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ کسی تحریک کی صداقت کے معترف ہو کر اُسے قبول کرتے ہیں اُنکی زندگیوں کا رنگ بدل جاتا ہے۔ وہ پہلے سے بالکل مختلف ہو جاتے ہیں۔ اُن سے ایسی باتوں کا ظہور ہوتا ہے جنکی توقع عام حالات میں انسان سے نہیں کی جاتی۔ وہ اپنے اصولوں کی خاطر دوستیوں اور خونی و قلبی رشتوں تک کو قربان کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے کاروبار، اپنی پوزیشن، اپنے منافع اور اپنی ہر چیز کا نقصان گوارا کرتے ہیں، حتیٰ کہ قید و بند کی تکالیف اور موت کے خطرات تک سہنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ یہ انقلاب ایسا ہمہ گیر ہوتا ہے کہ ان کی عادات بدل جاتی ہیں، اُنکے خصائل میں تغیر آجاتا ہے، یہاں تک کہ اُنکی شکل و صورت، لباس، خوراک اور عام طرزِ زندگی پر بھی اسکے اثرات ایسے نمایاں ہوتے ہیں کہ گرد و پیش کے لوگوں میں وہ اپنی ہر ادا سے الگ پہچان لیے جاتے ہیں۔ ہر شخص ان کو دیکھ کر کہہ دیتا ہے کہ وہ جارہے ہیں فلاں تحریک کے حامی۔

ہر تحریک کی ابتدا یوں ہی ہوتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں سے وہ جماعت بنتی ہے جو اُسے چلانے کے لیے اٹھتی ہے۔ اُسکے مقاصد اور اُسکے اصول خود ہی آدمیوں کی اُس بھیڑ میں سے جو دنیا میں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے، اپنے مطلب کے آدمی چھانٹتے ہیں، اور صرف انہی لوگوں کو اُس تحریک کے دائرے میں لاتے ہیں جنہیں اس سے مناسبت ہوتی ہے۔

اسکے بعد ایک دوسرا دور آتا ہے۔ جو لوگ اس تحریک میں شامل ہوتے ہیں انکی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ انکی اولاد بھی اسی مسلک پر اُٹھے جسکو خود انہوں نے حق پا کر قبول کیا ہے۔ اس غرض کے لیے وہ اپنی نئی نسلوں پر تعلیم، تربیت، گھر کی زندگی اور باہر کے ماحول سے اس قسم کے اثرات ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ انکے خیالات، اخلاق، عادات اور خصائل سب کے سب اس مسلک کی روح اور اسکے اصولوں کے مطابق ڈھل جائیں۔ اس میں انہیں ایک حد تک کامیابی ہوتی ہے، مگر بس ایک

حد تک ہی ہوتی ہے - پوری کامیابی ہو نا ممکن نہیں ہے - اس میں شک نہیں کہ تعلیم و تربیت اور سوسائیٹی کے ماحول اور خاندانی روایات کو طبائع کے ڈھالنے میں بہت کچھ دخل حاصل ہے اگر فطرت، دماغ کی ساخت، مزاج کی پیدائشی افتاد بھی ایک اہم چیز ہے، اور حقیقت میں دیکھا جائے تو بنیادی چیز یہی ہے - فطری طور پر دنیا میں ہر قسم کے آدمی، ہر مزاج، ہر رجحان، ہر ساخت کے آدمی ہمیشہ پیدا ہوتے ہیں - جس طرح اس تحریک کے ظہور کے وقت ہر طرح کے آدمی دنیا میں موجود تھے، اور اُن سب نے اُسکو قبول نہیں کر لیا تھا بلکہ صرف وہی اسکی طرف کھینچے تھے جو اس سے ذہنی مناسبت رکھتے تھے، اسی طرح بعد میں بھی یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ سب لوگ جو اس تحریک کے حامیوں کی نسل سے پیدا ہونگے اُنہیں لامحالہ اس تحریک سے مناسبت ہی ہوگی - اُن میں ابوجہل اور ابولہب بھی ہونگے - عمرؓ اور خالدؓ بھی ہونگے - اور ابوبکرؓ بھی ہونگے جس طرح آزر کے گھر میں ابراہیمؑ حنیف پیدا ہو سکتا ہے اُسی طرح نوحؑ کے گھر میں عمل غیر صالح بھی پیدا ہو سکتا ہے اور ہوا ہے - قانون فطرت کے مطابق یہ لازمی امر ہے کہ اس سوسائیٹی سے باہر بہت سے آدمی ایسے پیدا ہوں جو اپنے مزاج کی افتاد اور اپنی طبیعت کے رجحان کے لحاظ سے اسکے ساتھ مناسبت رکھتے ہوں، اور خود اسکے اندر بہت سے آدمی ایسے پیدا ہوں جو اسکے ساتھ کوئی مناسبت نہ رکھتے ہوں - پس یہ ضروری نہیں کہ تعلیم و تربیت کا وہ نظام جو تحریک کے ابتدائی حامی اپنی آئندہ نسلوں کے لیے قائم کرتے ہیں وہ انکی پوری نئی پود کو انکے مسلک کا حقیقی متبع بنا دے -

اس خطرے کے سدِ باب، اور تحریک کو اسکے بنیادی اصولوں پر برقرار رکھنے کے لیے دو صورتیں اختیار کی جاتی ہیں :

ایک یہ کہ جو لوگ تعلیم و تربیت اور اجتماعی ماحول کی تاثیرات کے باوجود ناکارہ نکلیں تکفیر[۱] کے ذریعہ سے

[۱] موجودہ زمانہ کی تحریکوں میں اسی چیز کو (Purge) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور تمام جماعتیں نامناسب آدمیوں کو اپنے دائرہ سے خارج کرتی رہتی ہیں - بلکہ جماعت کے اصولوں سے علانیہ منحرف ہو جانے والوں کو قتل تک کر دیا جاتا ہے -

انکو جماعت سے خارج کر دیا جائے، اور اس طرح جماعت کو غیر مناسب عناصر سے پاک کیا جاتا رہے۔

دوسرے یہ کہ تبلیغ کے ذریعہ سے جماعت میں اُن نئے لوگوں کی بھرتی کا سلسلہ جاری رہے جو رجحان و ذہنیت کے اعتبار سے اس تحریک کے ساتھ مناسبت رکھتے ہوں، اور جنکو اس کے اصول ومقاصد اُسی طرح اپیل کریں جس طرح ابتدائی پیروؤں کو انہوں نے اپیل کیا تھا۔

یہ اور صرف یہی دو صورتیں ایسی ہیں جو کسی تحریک کو زوال سے اور کسی جماعت یا پارٹی کو انحطاط سے بچا سکتی ہیں۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ رفتہ رفتہ لوگ ان دونوں تدبیروں کی اہمیت سے غافل ہوتے جاتے ہیں۔ جماعت کے باہر سے نئے لوگوں کو اندر لانے کی کوشش کم ہونے لگتی ہے۔ جماعت کی افزائش کے لیے تمام تر نسلی افزائش ہی پر اعتماد کر لیا جاتا ہے۔ اور جو لوگ اِس طرح جماعت کے اندر پیدا ہوتے ہیں ان میں سے ناکارہ لوگوں کو خارج کرنے میں خونی رشتوں اور معاشرتی تعلقات اور دنیوی مصلحتوں کی خاطر تساہل برتا جاتا ہے۔ طرح طرح کے بہانوں سے جماعتی مسلک میں ایسی گنجائشیں نکالی جاتی ہیں کہ ہر قسم کے رطب و یابس اُس میں سما سکیں۔ اور اس مسلک کو اتنا وسیع کر دیا جاتا ہے کہ سرے سے اسکے سرحدی نشانات اور امتیازی حدود باقی ہی نہیں رہتے۔ یہاں تک کہ بھانت بھانت کے آدمی اس جماعت کے دائرے میں جمع ہو جاتے ہیں جن کو کسی قسم کی مناسبت اسکے مسلک سے، اسکے اصولوں سے اور اسکے مقاصد سے نہیں ہوتی۔

پھر جب جماعت میں اسکے اصولوں سے حقیقی مناسبت رکھنے والے کم اور مناسبت نہ رکھنے والے زیادہ ہو جاتے ہیں تو اجتماعی ماحول اور تعلیم و تربیت کا نظام بھی بگڑنے لگتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر نئی نسل پہلے کی نسل سے بدتر اٹھتی ہے۔ جماعت کا قدم روز بروز تنزل و انحطاط کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اُس مسلک کا اور ان اصول و مقاصد کا تصور بالکل ہی ناپید ہو جاتا ہے جن پر ابتدا میں وہ جماعت بنی تھی۔ اس مقام پر پہنچ کر حقیقت میں جماعت ختم ہو جاتی ہے اور

محض ایک نسلی اور معاشرتی قومیت اسکی جگہ لے لیتی ہے۔ وہ نام جو ابتدا میں ایک تحریک کے علمبرداروں کے لیے بولا جاتا تھا، اسکو وہ لوگ استعمال کرنے لگتے ہیں جو اس تحریک کو مٹانے والے اور اس کے جھنڈے کو سرنگوں کرنے والے ہوتے ہیں۔ وہ نام جو ایک مقصد اور ایک اصول کے ساتھ وابستہ تھا، وہ باپ سے بیٹے کو ورثہ میں ملنے لگتا ہے بلا لحاظ اسکے کہ صاحب زادے کی زندگی کے اصول اور مقاصد اس نام سے کوئی مناسبت بھی رکھتے ہیں یا نہیں۔ درحقیقت ان لوگوں کے ہاتھ میں پہنچ کر وہ نام اپنی معنویت کھو دیتا ہے۔ وہ خود بھول جاتے ہیں اور دنیا بھی بھول جاتی ہے کہ یہ نام کسی مقصد، کسی مسلک، کسی اصول کے ساتھ وابستہ ہے، بے معنی و مفہوم نہیں ہے۔

اسلام اس وقت اسی آخری مرحلہ میں پہنچ چکا ہے۔ مسلمان کے نام سے جو قوم اس وقت موجود ہے وہ خود بھی اس حقیقت کو بھول گئی ہے، اور اسکے طرزِ عمل نے دنیا کو بھی یہ بات بھلا دی ہے کہ اسلام اصل میں ایک تحریک کا نام ہے جو دنیا میں ایک مقصد اور ایک اصول کو لے کر اٹھی تھی، اور مسلمان کا لفظ اُس جماعت کے لیے وضع کیا گیا تھا جو اس تحریک کی پیروی اور اسکی علمبرداری کے لیے بنائی گئی تھی۔ تحریک گم ہو گئی۔ اسکا مقصد فراموش کر دیا گیا۔ اسکے اصولوں کو ایک ایک کر کے توڑ ڈالا گیا۔ اور اس کا نام اپنی تمام معنویت کھو دینے کے بعد اب محض ایک نسلی و معاشرتی قومیت کے نام کی حیثیت سے استعمال کیا جا رہا ہے۔ حد یہ ہے کہ اسے ان مواقع پر بھی بے تکلف استعمال کیا جاتا ہے جہاں اسلام کا مقصد پامال ہوتا ہے، جہاں اسکے اصول توڑے جاتے ہیں، جہاں اسلام کے بجائے غیر اسلام ہوتا ہے۔

بازاروں میں جائیے۔ "مسلمان رنڈیاں" آپ کو کوٹھوں پر بیٹھی نظر آئینگی اور "مسلمان زانی" گشت لگاتے ملینگے۔ جیلخانوں کا معائنہ کیجیے۔ "مسلمان چوروں"، "مسلمان ڈاکوؤں"، اور "مسلمان بدمعاشوں" سے آپکا تعارف ہوگا۔ دفتروں اور عدالتوں کے چکر لگائیے۔ رشوت خواری، جھوٹی شہادت، جعل، فریب، ظلم اور ہر قسم کے اخلاقی جرائم کے ساتھ آپ لفظ "مسلمان" کا جوڑ لگا ہوا

پائینگے۔ سوسائٹی میں پھریے۔ کہیں آپکی ملاقات "مسلمان شرابیوں" سے ہوگی۔ کہیں آپکو "مسلمان قمار باز" ملینگے۔ کہیں "مسلمان سازندوں" اور "مسلمان گویّوں" اور "مسلمان بھانڈوں" سے آپ دوچار ہونگے۔ بھلا غور تو کیجیے، یہ لفظ مسلمان کتنا ذلیل کر دیا گیا ہے اور کن کن صفات کیساتھ جمع ہو رہا ہے۔ مسلمان اور زانی! مسلمان اور چور! مسلمان اور شرابی! مسلمان اور قمار باز! مسلمان اور رشوت خوار! اگر وہ سب کچھ جو ایک کافر کر سکتا ہے وہی ایک مسلمان بھی کرنے لگے تو پھر مسلمان کے وجود کی دنیا میں حاجت ہی کیا ہے؟ اسلام تو نام ہی اس تحریک کا تھا جو دنیا سے ساری بداخلاقیوں کو مٹانے کے لیے اٹھی تھی۔ اُس نے تو مسلمان کے نام سے اُن چیدہ آدمیوں کی جماعت بنائی تھی جو خود بلند ترین اخلاق کے حامل ہوں اور اصلاحِ اخلاق کے علمبردار بنیں۔ اُس نے اپنی جماعت میں ہاتھ کاٹنے کی، پتھر مار مار کر ہلاک کر دینے کی، کوڑے برسا برسا کر کھال اڑا دینے کی، حتیٰ کہ سولی پر چڑھا دینے کی ہولناک سزائیں اسی لیے تو مقرر کی تھیں کہ جو جماعت دنیا سے زنا کو مٹانے اٹھی ہے خود اُس میں کوئی زانی نہ پایا جائے، جس کا کام شراب کا استیصال ہے وہ خود شراب خواروں کے وجود سے خالی ہو، جسے چوری اور ڈاکہ کا خاتمہ کرنا ہے خود اُس میں کوئی چور اور ڈاکو نہ ہو اسکا تو مقصد ہی یہ تھا کہ جنہیں دنیا کی اصلاح کرنی ہے وہ دنیا بھر سے زیادہ نیک سیرت، عالی مرتبہ اور باوقار لوگ ہوں۔ اسی لیے قمار بازی، جعلسازی، اور رشوت خواری تو درکنار، اُس نے اتنا بھی گوارا نہ کیا کہ کوئی مسلمان سازندہ اور گویّا ہو، کیونکہ مصلحینِ اخلاق کے مرتبہ سے یہ بھی گری ہوئی چیز ہے۔ جس اسلام نے ایسی سخت قیود اور اتنے شدید ڈسپلن کے ساتھ اپنی تحریک اٹھائی تھی، اور جس نے اپنی جماعت میں چھانٹ چھانٹ کر بلند ترین کیرکٹر کے آدمیوں کو بھرتی کیا تھا اسکی رسوائی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ رنڈی اور بھڑوے اور زانی اور چور تک کے ساتھ لفظ "مسلمان" کا جوڑ لگ جائے۔ کیا اس قدر ذلیل اور رسوا ہو جانے کے بعد بھی "اسلام" اور "مسلمان" کی یہ وقعت باقی رہ سکتی ہے کہ سر اسکے آگے عقیدت سے جھک جائیں اور آنکھیں اسکے لیے فرشِ راہ بنیں؟ جو شخص بازار بازار اور گلی گلی

خواہ ہو۔ ہا ہو کیا کبھی اسکے لیے بھی آپنے کسی کو ادب سے کھڑے ہوتے دیکھا ہے؟

یہ تو بہت ذلیل طبقہ کی مثال تھی۔ اس سے اونچے تعلیم یافتہ طبقہ کی حالت اور بھی زیادہ افسوسناک ہے۔ یہاں یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسلام ایک نسلی قومیت کا نام ہے اور جو شخص مسلمان ماں باپ کے ہاں پیدا ہوا ہے وہ بہرحال مسلمان ہے خواہ وہ عقیدہ و مسلک اور طرزِ زندگی کے اعتبار سے اسلام کے ساتھ کوئی دور کی مناسبت بھی نہ رکھتا ہو۔ سوسائیٹی میں آپ چلیں پھریں تو آپ کو ہر جگہ عجیب و غریب قسم کے "مسلمانوں" سے سابقہ پیش آئیگا۔ کہیں کوئی صاحب علانیہ خدا اور رسول کا مذاق اڑا رہے ہیں اور اسلام پر پھبتیاں کس رہے ہیں، مگر ہیں پھر بھی "مسلمان" ہی۔ ایک دوسرے صاحب خدا اور رسالت اور آخرت کے قطعی منکر ہیں اور کسی مادہ پرستانہ مسلک پر پورا ایمان رکھتے ہیں مگر اُنکے "مسلمان" ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا۔ ایک تیسرے صاحب سود کھاتے ہیں اور زکوٰۃ کا نام تک نہیں لیتے مگر ہیں یہ بھی مسلمان ایک اور بزرگ بیوی اور بیٹی کو میم صاحبہ یا شیریمتی جی بنائے ہوئے سینما لیے جا رہے ہیں، یا کسی رقص و سرود کی محفل میں صاحبزادی سے وایولین بجوا رہے ہیں، مگر آپکے ساتھ بھی لفظ مسلمان بدستور چپکا ہوا ہے ایک دوسرے ذاتِ شریف نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تمام فرائض سے مستثنیٰ ہیں، شراب، زنا، رشوت، جوا اور ایسی سب چیزیں اُنکے لیے جائز ہو چکی ہیں، حلال اور حرام کی تمیز سے نہ صرف خالی الذہن ہیں بلکہ اپنی زندگی کے کسی معاملہ میں بھی اُنکو یہ معلوم کرنے کی پروا نہیں ہوتی کہ خدا کا قانون اس بارے میں کیا کہتا ہے، خیالات، اقوال اور اعمال میں اُنکے اور ایک کافر و مشرک کے درمیان کوئی فرق نہیں پایا جاتا، مگر ان کا شمار بھی مسلمانوں ہی میں ہوتا ہے۔ غرض آپ اس نام نہاد مسلم سوسائیٹی کا جائزہ لینگے تو اس میں آپ کو بھانت بھانت کا "مسلمان" نظر آئیگا، مسلمان کی اتنی قسمیں ملینگی کہ آپ شمار نہ کر سکینگے یہ ایک چڑیا گھر ہے جس میں چیل، کوّے، گدھ، بٹیر، تیتر اور ہزاروں قسم کے جانور جمع ہیں اور اُن میں سے ہر ایک "چڑیا" ہے، کیونکہ چڑیا گھر میں داخل ہے!

پھر لطف یہ ہے کہ یہ لوگ اسلام سے انحراف کرنے ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان کا نظریہ اب یہ ہوگیا ہے کہ "مسلمان" جو کچھ بھی کرے وہ "اسلامی" ہے، حتیٰ کہ اگر وہ اسلام سے بغاوت بھی کرے تو وہ اسلامی بغاوت ہے۔ یہ بینک کھولیں تو اس کا نام "اسلامی بینک" ہوگا۔ یہ انشورنس کمپنی قائم کریں تو وہ "اسلامی انشورنس کمپنی" ہوگی۔ یہ جاہلیت کی تعلیم کا ادارہ کھولیں تو وہ "اسلامی یونیورسٹی" "اسلامیہ کالج"، یا "اسلامیہ اسکول" ہوگا۔ انکی کافرانہ ریاست کو "اسلامی ریاست" کے نام سے موسوم کیا جائیگا۔ انکے فرعون اور نمرود "اسلامی بادشاہ" کے نام سے یاد کیے جائینگے۔ انکی جاہلی زندگی "اسلامی تہذیب و تمدن" قرار دی جائیگی۔ اِن کی موسیقی، مصوری اور بت تراشی کو "اسلامی آرٹ" کے معزز لقب سے ملقب کیا جائیگا۔ اِن کے زندقے اور اوہام لاطائل کو "اسلامی فلسفہ" کہا جائیگا۔ حتیٰ کہ یہ سوشلسٹ بھی ہو جائینگے تو "مسلم سوشلسٹ" کے نام سے پکارے جائینگے۔ ان سارے ناموں سے آپ آشنا ہو چکے ہیں، اب صرف اتنی کسر باقی ہے کہ "اسلامی شرابخانے"، "اسلامی قحبہ خانے"، اور "اسلامی قمار خانے" جیسی اصطلاحوں سے آپکا تعارف شروع ہو جائے۔ مسلمانوں کے اس طرزِ عمل نے اسلام کے لفظ کو اتنا بے معنی کر دیا ہے کہ ایک کافرانہ چیز کو "اسلامی کفر"، یا "اسلامی معصیت" کے نام سے موسوم کرنے میں اب کسی کو تناقض فی الاصطلاح (Contradiction in terms) کا شبہ تک نہیں ہوتا۔ حالانکہ اگر کسی دوکان پر آپ "سبزی خوروں کی دوکانِ گوشت"، یا "ولایتی سودیشی بھنڈار" کا بورڈ لگا دیکھیں یا کسی عمارت کا نام "موحدین کا بت خانہ" سنیں تو شائد آپسے ہنسی ضبط نہ ہوسکیگی۔

جب افراد کی ذہنیتوں کا یہ حال ہے تو قومی مقاصد اور قومی پالیسی کا اس تناقض سے متاثر نہ ہونا امرِ محال ہے۔ آج مسلمانوں کے اخباروں اور رسالوں میں، مسلمانوں کے جلسوں اور انجمنوں میں، نوجوان مسلمان پڑھے لکھے طبقہ میں آپ ہر طرف کس چیز کی پکار سنتے ہیں؟ بس یہی ناکہ سرکاری ملازمتوں

میں ہمیں جگہیں ملیں۔ غیر الٰہی نظام حکومت کو چلانے کے لیے جس قدر پرزے درکار ہیں ان میں سے کم از کم اتنے پرزے ہم پر مشتمل ہوں۔ شریعت ساز مجلسوں (Legislatures) کی نشستوں میں کم سے کم اتنا تناسب ہمارا ہو۔ من لم یحکم بما انزل اللہ میں کم سے کم اتنے فی صدی ہم بھی ہوں۔ والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت میں غالب حصہ ہمارا ہی رہے۔ اسی کی ساری ہیچ پکار ہے۔ اسی کا نام اسلامی مفاد ہے۔ اسی محور پر مسلمانوں کی قومی سیاست گھوم رہی ہے۔ یہی گروہ عملاً اس وقت مسلم قوم کی پالیسی کو کنٹرول کر رہا ہے۔ حالانکہ ان چیزوں کو نہ صرف یہ کہ اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ اسکی عین ضد ہیں۔ غور کا مقام ہے کہ اگر اسلام ایک تحریک کی حیثیت سے زندہ ہوتا تو کیا اس کا یہی نقطۂ نظر ہوتا؟ کیا کوئی اجتماعی اصلاح کی تحریک اور کوئی ایسی جماعت جو خود اپنے اصول پر دنیا میں حکومت قائم کرنے کا داعیہ رکھتی ہو، کسی دوسرے اصول کی حکومت میں اپنے پیروؤں کو کل پرزے بننے کی اجازت دیتی ہے؟ کیا کبھی آپ نے سنا ہے کہ اشتراکیوں نے بینک آف انگلینڈ کے نظام میں اشتراکی مفاد کی حفاظت کا سوال اٹھایا ہو؟ یا فاشسٹ گرانڈ کونسل میں اپنی نمائندگی کے مسئلہ پر اشتراکیت کے بقاو فنا کا انحصار رکھا ہو؟ اگر آج روسی کمیونسٹ پارٹی کا کوئی ممبر نازی حکومت کا وفادار خادم بن جائے تو کیا آپ توقع رکھتے ہیں کہ اسے ایک لمحہ کے لیے بھی پارٹی میں رہنے دیا جائیگا؟ اور اگر کہیں وہ نازی آرمی میں داخل ہو کر نازیت کو سربلند کرنے کی کوشش کرنے لگے تو کیا آپ اسکی جان کی سلامتی کی بھی امید کر سکتے ہیں؟ مگر یہاں آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟ اسلام جس روٹی کو زبان پر رکھنے کی اجازت بھی شائد انتہائی اضطرار کی حالت میں دیتا، اور جسکو حلق سے اتارنے کے لیے غیر باغ ولا عادٍ کی شرط لگاتا، اور پھر تاکید کرتا کہ جس طرح سخت بھوک کی حالت میں جان بچانے کے لیے سؤر کھایا جاسکتا ہے اُسی طرح بس یہ روٹی بھی بقدر سدِ رمق کھالو، یہاں اس روٹی کو نہ صرف ھنیأ مریٔا کر کے پورے انبساط کے ساتھ کھایا جاتا ہے، بلکہ اسی پر کفر و اسلام کے معرکے سر ہوتے ہیں، اور اسی کو

اسلامی مفاد کا مرکزی نقطہ قرار دیا جاتا ہے! اس کے بعد تعجب کیجیے اگر ایک اخلاقی و اجتماعی مسلک کی حیثیت سے اور ایک مصلح تمدن کی حیثیت سے اسلام کے دعوائے حکمرانی کو سن کر دنیا مذاق اڑانے لگے۔ کیونکہ اسلام کی نمائندگی کرنے والوں نے خود اسکے وقار کو اور اسکے دعوے کو اپنے معبود شکم کے چرنوں میں بھینٹ چڑھا دیا ہے۔

اور دیکھیے۔ آپ کے ہاں ایک صاحب بڑے طنطنہ کے ساتھ ایک فوجی تحریک لے کر اٹھتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ تمہاری شوکت رفتہ کو پھر تازہ کرونگا اور تمہیں زمین میں غلبہ دلوا کر چھوڑونگا۔ آپ کے ہزاروں نہیں لاکھوں آدمی انکی طرف دوڑتے ہیں۔ لاکھوں ان سے فلاح و کامرانی کی آس لگاتے ہیں۔ آپ کا پریس اِدھر سے اُدھر تک انکی حمایت کرتا ہے۔ اور دیکھتے دیکھتے یہ صاحب اسلام کے سپہ سالار اور ملت کے امیرِ مطاع بن جاتے ہیں۔ مگر آپ میں سے بہت کم لوگوں کو یہ خیال آتا ہے کہ انکے عقائد، اُنکے فہم قرآن، اُنکے اخلاق، اُنکی گفتار، اُنکے اعمال، اور ان کے طریق کار کا بھی جائزہ لے کر دیکھ لیں۔ ایک شخص اسلامی اصطلاحات کے پردے میں میکیاویلی، مڈارون، نٹشے، ہیگل اور کارل پیرسن جیسے لوگوں کے نظریات پیش کرتا ہے، قانون طبعی اور قانون شرعی کو خلط ملط کر کے اسلام کی جڑ بنیاد تک اکھاڑ پھینکتا ہے، ایمان، اسلام، تقویٰ، عبادت، توحید، رسالت، جہاد، ہجرت، اطاعت امر، جماعت، سب کے مفہوم بدل کر رکھ دیتا ہے، اور تم زہر کے یہ سارے گھونٹ محض اس لالچ میں حلق سے اتار جاتے ہو کہ یہ "مسلم قوم" کی عسکری تنظیم تو کر ہی دیگا۔ ایک شخص علانیہ جھوٹ بولتا ہے، جھوٹ پر اپنی تحریک کی پوری عمارت کھڑی کرتا ہے، غیر مسلموں تک کے سامنے اپنے کذب و دروغ سے اسلام اور مسلمانوں کو رسوا کرتا ہے، اپنی بدزبانی اور لاف زنی سے مسلمانوں کے قومی اخلاق کی خوب تذلیل و تضحیک کراتا ہے، غیر مسلموں کے مقابلہ پر آکر پہلی ضرب کھاتے ہی معافی مانگتا ہے، پھر اپنے وقار کو بچانے کے لیے علی الاعلان جھوٹ بولتا ہے کہ میں نے معافی نہیں مانگی، اور پھر لاف زنی کرتا ہوا وہیں لڑنے

پہنچ جاتا ہے جہاں اس نے واپس نہ جانے کا عہد کیا تھا۔ تم یہ سب کچھ دیکھتے ہو اور اسکے باوجود اس کے پیچھے لگے رہتے ہو محض اس امید میں کہ یہ ہمیں دنیوی کامرانیوں سے ہمکنار تو کردیگا۔ ایک شخص کی تحریر و تقریر اور ایک ایک حرکت سے دنائت، سفلہ پن اور بازاریت ٹپکی پڑتی ہے، تقویٰ، صداقت اور وقار کا نام و نشان تک نظر نہیں آتا اور تم اسکی امارت تسلیم کرنے میں ذرا تامل نہیں کرتے۔ حد یہ ہے کہ وہ پچاس ہزار مسلمانوں کی جانیں غیر الٰہی حکومت کی خدمت کے لیے بار بار پیش کرتا ہے اور اس خدمت گذاری کا فائدہ تمہیں یہ بتاتا ہے کہ اس بہانے تم کو عسکری ٹریننگ مل جائیگی اور تمہاری فوجی پوزیشن مضبوط ہو جائیگی۔ تم اس ذلیل تدبیر کی خوراک بھی حلق سے نیچے اتار لیتے ہو اور خوش ہوتے ہو کہ ہمیں ایک فوجی تنظیم کرنے والا امیر تو مل گیا۔ یہ سب باتیں بتا رہی ہیں کہ تمہارا معیار اخلاق و انسانیت کس قدر گر گیا ہے۔ تم جس اسلام کی نمائندگی کا دعویٰ کرتے ہو وہ دنیا میں یہ اصول قائم کرنے آیا تھا کہ انسان کا مقصد ہی صرف پاک نہ ہونا چاہیے بلکہ اسکو حاصل کرنے کے ذرائع بھی پاک ہونے چاہییں۔ مگر تمہارا حال یہ ہے کہ جس ذریعہ سے بھی تم کو کامیابی کے حصول کی امید نظر آتی ہے، خواہ وہ کتنا ہی ناپاک اور ذلیل ذریعہ کیوں نہ ہو، تم دوڑ کر اسے دانتوں سے پکڑ لیتے ہو اور جو تمہیں اس سے روکنا چاہے الٹا اسی کو کاٹ کھانے پر آمادہ ہو جاتے ہو۔ ذرائع کی پاکی و ناپاکی سے قطع نظر کر کے محض کامیابی کو مقصود بالذات بنانا تو دہریوں اور کافروں کا شیوہ ہے۔ اگر مسلمان نے بھی یہی کام کیا تو اسکی خصوصیت کیا باقی رہی؟ بلکہ یہ طریقہ اختیار کرنے کے بعد دوسری جاہل قوموں سے الگ، وہ مسلمان کہلا کے جداگانہ وجود کے لیے کونسی وجہ جواز رہ جاتی ہے؟

اور اوپر چلیے۔ آپکی سب سے بڑی قومی مجلس، مسلم لیگ، جسکو آٹھ نو کروڑ مسلمانوں کی نمائندگی کا دعویٰ ہے، ذرا اسکو دیکھیے کہ اس وقت وہ کس روش پر چل رہی ہے۔ موجودہ جنگ کے آغاز میں اس نے اپنی جس پالیسی کا اعلان کیا اور پھر وائسرائے کے اعلان پر جس رائے کا اظہار کیا، اس کو

پڑھیے اور بار بار پڑھیے۔ اگر آپ ایک اصول پرست جماعت کے طرزِ عمل، اور ایک ایسی جماعت کے طرزِ عمل میں جو محض اپنی قوم کی سیاسی اغراض کی خدمت کے لیے بنی ہو، فرق و امتیاز کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، تو اوّل نظر میں آپکو محسوس ہو جائیگا کہ جنگ کے موقع پر جو پالیسی لیگ نے اختیار کی ہے وہ اصول پرستی کے ہر نشان سے خالی ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ درحقیقت یہی پالیسی مسلمانوں کے ذہن کی ترجمانی کرتی ہے، تو اس کے آئینہ میں ہر صاحب نظر آدمی دیکھ سکتا ہے کہ ان نام نہاد مسلمانوں پر پوری طرح اخلاقی موت وارد ہو چکی ہے۔ مقامی طور پر ہندوستان میں مسلمانوں کی جو سیاسی پوزیشن اس وقت ہے، اس پوزیشن میں اگر دنیا کی کوئی اور قوم ہوتی تو اسکی لیگ بھی ایسی ہی پالیسی اختیار کرتی، اور قریب قریب انہی الفاظ میں اپنا ریزولیوشن مرتب کرتی۔ آپ مسلم کے بجائے، سکھ، پارسی، جرمن، اٹالین، جو نام چاہیں رکھ سکتے ہیں۔ یہی سیاسی موقف اور یہی مقامی حالات، اُسکے ساتھ وابستہ کر دیجیے اور پھر بڑی آسانی کے ساتھ آپ اس ریزولیوشن کو ان میں سے ہر قوم کی طرف منسوب کر سکتے ہیں۔ اسکے معنی یہ ہوئے کہ مسلمان اب اُسی سطح تک گر گیا ہے جس سطح پر دنیا کی دوسری تمام قومیں ہیں۔ ایک موقع و محل پر دنیا کی کوئی کافر و مشرک قوم جو طرزِ عمل اختیار کر سکتی ہے وہی مسلمان بھی اختیار کر رہا ہے۔ وہ بھول گیا ہے کہ میں اوّلاً اور بالذات ایک اخلاقی اصول کا نمائندہ اور وکیل ہوں، اسی حیثیت سے میرا نام مسلمان ہے، میرا کام سب سے پہلے ایک معاملہ کے اخلاقی پہلو کو دیکھنا ہے، اور میری مسلمان ہونے کی حیثیت کا تقاضا یہ ہے کہ اسی پہلو پر اپنے فیصلہ کا مدار رکھوں۔ اگر میں نے بھی صرف یہی دیکھا کہ پیش آمدہ معاملہ خود مجھ پر اور میری قوم پر کیا اثر ڈالتا ہے، اور یہ کہ میں اس صورت حال میں اپنے لیے کس طرح فائدہ حاصل کر سکتا ہوں، تو پھر "مسلمان" کے نام سے میرے الگ وجود کی کوئی وجہ باقی ہی نہیں رہتی۔ ایسا طرزِ عمل تو اگر میں نامسلمان ہوتا اور کسی آسمانی کتاب کی مجھے ہوا بھی نہ لگی ہوتی تب بھی میں اختیار کر سکتا تھا۔

میں اس معاملہ کو ہندوستانی وطن پرست کے نقطۂ نظر سے نہیں دیکھتا۔ مجھے اس سے بھی کوئی بحث نہیں کہ سیاسی حیثیت سے مسلم لیگ کی یہ پالیسی مسلمان نام کی اُس قوم کے لیے جو ہندوستان میں بستی ہے، مفید ہوگی یا مضر۔ میرے لیے جو سوال اہمیت رکھتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ جو قوم اس وقت مسلمان کے نام سے پکارے جانے کے باعث دنیا میں اسلام کی نمائندہ سمجھی جاتی ہے، اُس کی سب سے بڑی مجلس نے دنیا کے سامنے اسلام کو کس رنگ میں پیش کیا ہے؟ اس نقطۂ نظر سے جب مسلم لیگ کے ریزولیوشن کو دیکھتا ہوں تو میری روح بے اختیار ماتم کرنے لگتی ہے۔ اِن لوگوں کو ایک موقع، اور نادر موقع ملا تھا کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے دنیا کی ساری قوموں پر اپنے اخلاقی مرتبہ کی برتری کا سکہ جما دیتے۔ انکو ایک بیش قیمت موقع ملا تھا اس حقیقت کے اظہار کا کہ ہم ایک اخلاقی اصول کے پیروکار ہیں، اور وہ اخلاقی اصول حق اور عدل کی پاک ترین روح کا حامل ہے، اور دنیا میں صرف ہماری جماعت ہی ایک جماعت ہے جو خصی یا قومی نفع و نقصان کے تصورات سے بالاتر ہو کر مجرد اخلاق کی بنیاد پر کام کرتی ہے۔ اگر لیگ کے رہنماؤں میں اسلامی حس کا شائبہ بھی موجود ہوتا تو وہ اس موقع کو ہاتھ سے نہ دیتے۔ اور اس کا جو گہرا اخلاقی اثر مترتب ہوتا، اُس کی قدر و قیمت کے مقابلہ میں کوئی نقصان جو ایسا طرزِ عمل اختیار کرنے کی وجہ سے ہم کو پہنچنے کا اندیشہ تھا، اور کوئی فائدہ جو اُسکے برعکس طرزِ عمل اختیار کرنے کی وجہ سے حاصل ہونے کی توقع ہے، قطعاً کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ مگر افسوس کہ لیگ کے قائدِ اعظم سے لے کر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرزِ فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہو۔ یہ لوگ مسلمان کے معنی و مفہوم اور اسکی مخصوص حیثیت کو بالکل نہیں جانتے۔ ان کی نگاہ میں مسلمان بھی ویسی ہی ایک قوم ہیں جیسی دنیا میں دوسری اور قومیں ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہر ممکن سیاسی چال اور ہر مفید مطلب سیاسی تدبیر سے اس قوم کے مفاد کی حفاظت کر دینا ہی بس وہ "اسلامی سیاست" ہے ـــــ حالانکہ ایسی ادنیٰ درجہ کی سیاست کو اسلامی سیاست کہنا اسلام کے

سے ازالۂ حیثیتِ عرفی سے کم نہیں!

"مسلمانوں" کی زندگی کے مختلف شعبوں اور مختلف پہلوؤں سے یہ چند مثالیں جو میں نے پیش کی ہیں، یہ سب ایک ہی نتیجہ کی طرف رہنمائی کر رہی ہیں، اور وہ یہ ہے کہ اسلامی تحریک اس وقت تنزل و انحطاط کے اُس آخری مرحلہ پر پہنچ گئی ہے جہاں ایک تحریک کی روح ناپید ہو جاتی ہے، صرف اس کا نام باقی رہ جاتا ہے، اور اس نام کا اطلاق، برعکس نہند نام زنگی کافور کے بمصداق، اُن چیزوں پر ہونے لگتا ہے جو اسکے اصل معنی کی ضد ہوتی ہیں۔ نظریات غیر اسلامی اور نام انکا مسلمان۔ مقاصد غیر اسلامی اور انکا نام بھی مسلمان۔ سیرت غیر اسلامی اور اس پر بھی لفظ مسلمان چسپاں۔ رویّہ غیر اسلامی اور اس پر بھی لفظ مسلمان کا بے تکلف اطلاق۔ افراد سے لے کر جماعتوں تک، سوسائیٹی کے ادنیٰ ترین طبقوں سے لیکر بلند ترین طبقوں تک، چھوٹی انجمنوں سے لیکر بڑی سے بڑی مجلسوں تک، ہر طرف اسی ایک وبائے عام کے اثرات پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ میرے دل نے بارہا یہ سوال کیا ہے کہ اسلام جو کبھی آندھی اور طوفان کی طرح اٹھا تھا، جسکے سامنے دنیا کی کوئی طاقت نہ ٹھیر سکتی تھی، آج اسکی کشور کشائی و عالمگیری آخر کس چیز نے چھین لی؟ اسکا جواب ہر بار مجھے یہی ملا کہ اسلامی تحریک پر تنزل و انحطاط کے اُسی قانون کا عمل جاری ہوا ہے جسے میں ابتدا میں بیان کر آیا ہوں۔ اب اصلاح کی صورت اسکے سوا کچھ نہیں کہ اسلام کو از سرِ نو ایک تحریک کی حیثیت سے اٹھایا جائے اور مسلم کے معنی کو پھر سے تازہ کیا جائے۔ مُردوں کی اس بستی میں جو تھوڑے بہت مسلمان دل ابھی حرکت کر رہے ہیں، اور جنکی گہرائیوں سے ابھی تک یہ شہادت بلند ہو رہی ہے کہ اسلام ہی حق اور صدق ہے اور انسانیت کی فلاح صرف طریق اسلامی ہی میں ہے، انکو جان لینا چاہیے کہ اب کرنے کا کام یہی ہے ــــ مگر اس کام کو کرنا کھیل نہیں ہے۔ یہ وہ کوہ کنی ہے جسکے تصور ہی سے فرہاد کا زہرہ آب ہو جاتا۔